دہلی
چودھویں صدی کے شعر و ادب میں

از جناب شعیب اعظمی صاحب

دہلی ہزار یار اُجڑی ہزار بار بسی۔ ناز و نعمت کے بھرپور دن بھی دیکھے اور رنڈاپے کی گھڑیاں بھی گنیں، ہزار چرکے کھاتے اور اپنی گود میں صدہا داستانیں لئے سسکتی بھی رہی مگر کہلائی سدا سہاگن، دِلّی پانڈوؤں کی۔ دِلّی مسلمانوں کی۔ دِلّی سلطانوں کی صوفیا کی یا مشائخ کی یا فرنگی کی کس کی دِلّی کبھی مہربان ہوئی تو دودھوں نہلایا اور پوتوں پھلایا اور بے رحم بنی تو ایسی کہ ڈائن بن کر سات پشت تک کو ہضم کر گئی۔ تیمور کی تلواروں کی چمک سے دلی کا دِل دہلا۔ نادر شاہ کی خوں آشام تلوار نے اسی سرزمین پر اپنی پیاس بجھائی۔ داراشکوہ کی عظمت کا تاج انھیں گلیوں میں روندا گیا، سرمد کی سرمستی اسی جامع مسجد کے دروازہ پر جاں بحق ہوئی۔ اٹھارہ سو ستاون کی انقلابی مہم کا سرہیں کچلا گیا اور اُنیس سو سینتالیس کی بھیانک خون کی ہولی یہیں کھیلی گئی اور لاکھوں بے خانماں قافلوں کے بوجھ سے اسی کی کمر جھک گئی مگر ادیبوں اور شاعروں نے اس کی عظمت کے گُن ہمیشہ گائے گئے گذرے دور میں بھی میرؔ نے اس شہر کو عالم میں انتخاب کہا جہاں منتخب روزگار رہتے تھے اسی گلی کوچے کی ہر شکل اُن کو تصویر نظر آئی لیکن پگڑی سنبھالنے کی بھی فکر لگی رہی۔ ذوقؔ نے ان گلیوں کو دیکھ

کے دربار پر ترجیح دی لیکن غالب رہنے کے باوجود "کیا کھائیں گے" کے غم میں گھلتے رہے اور حالی نے تو مرحوم لکھ کر مہر آخر لگا دی مگر ان سب کے باوجود کوئی اسے چھوڑ نہ سکا کوئی اس سے فرار حاصل نہ کر سکا اور سب اسے سینے سے لگائے رہے۔

اسی دہلی کے لیل و نہار ہم چودھویں صدی کے آثار میں تلاش کریں گے۔ اس صدی کی ابتدا میں خلجیوں کا چل چلاؤ تھا۔ معزالدین کیقباد کی رنگین زندگی وقت کے دھندلکوں میں کھو رہی تھی اور ہندوستان کا تاج و تخت تغلق فرمانروا غیاث الدین تغلق کا استقبال کر رہے تھے۔ تغلق نے نہ صرف بغاوتیں فرو کیں بلکہ مشرق میں بہار بنگال تک تاخت و تاز کی بلکہ دکن کی سنگلاخ سرزمین کو بھی ہموار کیا اور محمد بن تغلق نے دیوگیر کو ملک کا دارالسلطنت ثانی قرار دیا۔ اس خاندان نے تقریباً پون صدی تک ہندوستان کے دو تہائی حصہ کو زیر نگیں رکھا اس کے بادشاہوں میں محمد بن تغلق اور فیروز تغلق خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو مورخین کو علائی عہد کی تعریف میں رطب اللسان پاتے ہیں اور تغلق عہد کی مذمت میں صفحے کے صفحے سیاہ پاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ محققین بھی اس فیصلہ میں جانبدار نہیں رہ جاتے اور علائی عہد کے علماء شعراء اور مورخین کے گن گانے کے ساتھ ساتھ عہد تغلق کو ایک زوال آمادہ دور کا نام دیتے ہیں مگر حقیقت کیا ہے اس کا تجزیہ ہم اُس عہد کے دیگر شعراء، مورخین اور مصنفین کی تحریر سے کر سکتے ہیں۔

اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس تین بڑے ذرائع ہیں۔ بیرونی سیاحوں کے سفرنامے، وہ کتابیں جو بیرونی علماء نے یہاں کے حالات معلوم کر کے لکھیں اور تیسرا وہ گروہ جو خود یہاں کے علماء، شعراء، مورخین اور مشائخ کے ملفوظات پر مشتمل تھا جن کے الفاظ میں وقت کی دھڑکتی ہوئی نبض تھی۔ غالباً ان تینوں ذرائع کے مطالعہ کے بعد اس فیصلہ میں دیر نہ لگے گی کہ تغلق عہد کسی طرح بھی ادبی، تہذیبی، معاشرتی اور اقتصادی طور پر کم حیثیت نہ تھا۔

محمد بن تغلق کی دہانت، علمیت، علم دوستی اور سخاوت کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے۔ برامکہ، معن زادہ اور حاتم نے جو برسوں میں دیا سلطان نے وہ چشم زدن میں دے ڈالا، برنی نے اُسے فرعون، سکندر اعظم، سلیمان اور نمرود جیسا عالی ہمت بتایا ہے اور حوصلہ میں جمشید اور خسرو کی مانند قرار دیا ہے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ خراسان، عراق، بخارا، سمرقند اور خوارزم، سیستان، ہرات، مصر اور دمشق سے علماء، فضلا اور ضرورت مندوں کا ایک جم غفیر دہلی میں آگیا تھا فرشتہ لکھتا ہے:۔

"آوازہ سخاوتش چناں گشت کہ مردم از قندھار سیستان وخراسان وعراق ومصر وبغداد بدرگاہ سلطان محمد آمدہ منتظر انعام واکرام بودند نوازشہا یافتہ ونواختہ شدند"

ممکن ہے ابن بطوطہ کے ہندوستان آنے میں یہ کشش بھی شامل رہی ہو اس کے علاوہ قلقشندی، خلال، شیخ مبارک، شہاب الدین، اور ابو صنعاء کے تذکرے بھی محمد بن تغلق کی فیاضی اور عالی ہمتی اور ہندوستان کی خوشحالی کے ذکر سے خالی نہیں ہیں، شہاب الدین عباس دہلی والوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ ذہین اور عقلمند ہیں، فارسی اور ہندی بولتے ہیں، دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے ہیں، مختلف علوم وفنون، طب اور ریاضی میں ماہر ہیں مسالک الابصار میں درج ہے کہ یہاں کے باشندوں کا پہناوا سفید ہے علماء اولیا اور درویش زیادہ تر ادنی کپڑے پہنتے ہیں۔ بادشاہ اور امراء تاتاری لباس میں ہوتے ہیں۔ پانچ پانچ گز کے عمامے باندھتے ہیں حبشی زمردی سیاح اس عہد میں دوبار ہندوستان آئے۔ان کے لکھنے کے مطابق بالوں کی لٹ ہوتی ہے۔اور گندھی ہوئی چوٹیاں بھی مروج ہیں سپاہی شملے باندھتے ہیں۔ قضاۃ اور علماء لشکریوں کی مانند جبیت لباس پہنتے ہیں۔عورتیں موباف باندھتی ہیں۔خلال لکھتے ہیں کہ دہلی میں مکان پتھر کے ہوتے ہیں۔اور دو منزلہ ہیں۔اکیس شہروں کو دہلی کہتے ہیں۔ایک ہزار مدرسے ہیں۔ایک شوافع کا ہے باقی احناف کے ہیں۔تقریباً ستر شفاخانے ہیں۔بازار عام

خانقاہیں زیادہ ہیں ۔ اور جامع مسجد کی اونچائی سو ہاتھ کی تھی ۔

اس ضمن میں ابن بطوطہ کا بیان زیادہ اہم ہے ۔ جو سرکاری مہمان تھا۔ قاضی بھی رہ چکا تھا ۔ اور ہندوستان کے مختلف خطوں کی سیر بھی کر چکا تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ تمام شہر میں ہندو آبادی کی کثرت ہے جو آزادی سے اپنی عبادت کرتے اور تہوار مناتے ہیں دسہرہ ، دیوالی ، ہولی اور بسنت کے موقعہ پر بہت خوشی منائی جاتی ہے ۔ سلطان ان کی مذہبی زندگی میں دخیل نہیں اور غیر مسلم فوج اور شہری زندگی میں برابر کے شریک تھے ۔ سلطان نے نہ کوئی بت توڑا اور نہ ہی کوئی مندر مسمار کیا ۔ تہذیبی حلقوں میں غلام اور لونڈیوں کی کثرت ہے ۔ جو قیمتاً ملتی ہیں سینکڑوں اشعار انہیں حفظ ہیں اور حدیثیں بھی بکثرت یاد ہیں ۔ وہ گانے بجانے میں طاق ہیں ۔ وہ یہاں کی عورتوں کے حسن اور اخلاق کا اتنا مداح تھا کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی عورتوں پر ترجیح دیتا ہے ۔ وہ ہر موقع کی تصویر پیش کرتا ہے ۔ غمی ، خوشی اور شادی کی رسومات بیان کرتا ہے ۔ دلہن کے دروازے پر سہیلیاں کھڑی ہوجاتی ہیں اور دولہا کی پارٹی سے مقابلہ ہوتا ہے ۔ دلہن پر سے سہیلیاں پیسے نچھاور کرتی ہیں ۔ اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتی ہیں ۔

کھانے میں دودھ اور گھی کی فراوانی تھی ۔ کھانے کی دوکانیں بکثرت تھیں ۔ شامی کباب ، سیخ کباب ، پلاؤ ، قورمہ مختلف قسم کے سالن ، مٹھائیاں ، پتلی چپاتیاں ، بھنا گوشت ، گھی کی پوریاں ، خشک میٹھی روٹی ، قلیہ ۔ پیاز ادرک کا قیمہ ، جانفل ۔ بادام اور پستہ بھرا ہوا سموسہ غرض سب کچھ وافر ہوتا تھا ، مہمان کی ضیافت شربت ، مٹھائی ، پھول اور پان سے ہوتی تھی بعض اوقات ابن بطوطہ کی ضیافتوں میں ہزار پان پیش کئے گئے ۔ اس عہد کے مشہور شاعر مطہر کڑہ نے ان پانوں کا ذکر کرکے ابن بطوطہ کے بیان کو سند دے دی ہے :-

برگ داران شدہ در دادن تنبول رواں   برگ داں ہائے زر و سیم گرفتہ بکنار

بڑھا چند گل برگ چو گل تازہ و تر دوختہ آں گل صد برگ بہ یک سوزن خار

شیخ مبارک رقمطراز ہیں کہ محمد بن تغلق کے دربار میں ۱۲ سو طبیب تھے دو ہزار قوال اور ایک ہزار شاعر تھے اور تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ادیبوں اور شاعروں کی دیکھ بھال کے لئے چار نائب وزرار مقرر تھے علماء اور قضاۃ کی دیکھ بھال صدر جہاں کے ہاتھ میں تھی اور بادشاہ ان علماء سے دلچسپ گفتگو کرتا تھا اُن کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتا تھا۔

یہ وہ دہلی تھی جسے انحطاط کا نام دیا جاتا ہے امیر خسرو اگرچہ اس عہد کے شاعر نہیں ہیں مگر تغلق نامہ لکھ کر وہ اس عہد سے بھی متعلق ہو گئے ہیں۔ اسی دہلی کے بارے میں وہ قرآن السعدین میں لکھتے ہیں کہ یہ جنت عدن ہے اور اس کی عظمت کے سامنے ختن بھی ہیچ ہے اور مقدس اتنا کہ مکہ بھی اس کا طواف کرنے پر آمادہ ہو جائے:۔

شعرت دہلی کنف دین و داد جنّت عدن است کہ آباد باد
ہست چو ذات ارم اندر صفات حرسہا اللہ عن الحادثات
فلک زدہ دروازہ او فتح باب سیزدہ دروازہ صد فتح باب
نام بلندش رہ بالا گرفت تا بہ ختن شد رہ یغما گرفت
گر بشنود قصۂ ایں بوستاں کہ شود طائف ہندوستاں

امیر خسرو نے جس دہلی کی شان میں یہ اشعار کہے اسی کی مدح میں عہد کے مشہور شاعر عصامی نے اپنے شاہنامہ فتوح السلاطین میں یہ شاندار اور یادگار اشعار بھی کہے ہیں۔

غرض شہر دہلی کہ در ملک ہند یکے تختگہ بود خاطر پسند
تماشا گہ جملہ اہل نظر دیارش چمن در چمن سر بسر
بہ نیروئے دیں مامن مومناں شدہ گرچہ بدجائے اہرمناں
برشک از سوادش سواد ارم مضافات او مصر و بغداد ہم

چناں تختگاہے کہ در روزگار — بماند از شہان جہاں یادگار
ملائک ہمہ کوچہایش مدام — زپیرہائے خود رفتہ ہر صبح و شام
درو مسجدی ہمچو بیت الحرم — برآوردۂ خسروانِ عجم
منارہ درآں مسجد باصفا — بفردوس چوں سدرۃ المنتہیٰ
ہماں حوضِ شمسی ز پاکی آب — ببرد آب از چشمۂ آفتاب

اور اُس کے موسم کی خوشگواری لوگوں کا دل موہ لیا کرتی تھی۔

بہر چار فصلش ہوا معتدل — شدا زرد نقشِ باغ رضوان خجل
باطراف او باغہائے سمن — چو پُر چین بکردہ سواد چمن
نسیمے شد آں باغ ہر صبحدم — برد بہر رونق صبا در ارم
کسی کو درآں شہر گردد مقیم — نماند درد حرصِ باغِ نعیم

دہلی کی خوبصورتی اور حُسن میں علمار فضلار اور دانشوروں کی موجودگی نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ عصامی ہی کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس کی تصدیق ہو جائے گی۔

درآں شہر عالم بسے خاستہ — ہمہ در ہمہ علم آراستہ
اگر مشکلے در بخارا فتاد — وگر فتنہ در سمرقند زاد
گرو ہے کہ مفتی آں کشورند — زاصحاب ایں شہر فتویٰ برند
درآں شہر ہر جنس صنعت گراں — ہمہ کاہل از صنعتِ بیکراں

غور فرمایئے کہ یکتائے روزگار دہلی کیا درجہ رکھتے تھے۔ بخارا اور سمرقند کے علمار کے مقابلے میں ہمارے علمار کیا مرتبہ رکھتے تھے۔

چودھویں صدی کے اگلے نصف میں فیروز تغلق کی فلاحی کوششوں نے محمد بن تغلق کی سخت گیری کو ختم کر کے عام خوشحالی اور فارغ البالی عطا کی تھی صوفیا کے خاندان، خانقاہوں اور زیارت گاہوں کو نوازا گیا تھا۔ مزارات و مقابر

کی حرمت کی گئی ۔ آبپاشی کی آسانی نے دور دراز گاؤں کو بھی خوشحالی بخشی ۔ دہلی میں مدرسہ شاہی کی بنیاد پڑی ۔ برنیؔ اس مدرسہ اور مسجد کی تعریف کرتا ہے کہ یہ عجیب وغریب عمارت حوض علائی پر بنائی گئی ہے ۔ اس کی خوبصورتی اور بلندی کے ساتھ کمروں اور برآمدوں کی مسلسل قطاریں ہیں ۔ موزوں ستونوں نے دنیا کی دوسری عمارتوں کو ہیچ کر دیا ہے ۔ جو مسافر یا شہری اس شہر میں آتا ہے ۔ سمجھتا ہے گویا بہشت میں آگیا ہے ۔ یا فردوس بریں کی سیر کر رہا ہے ۔ اس کا سارا حزن وملال ختم ہو جاتا ہے ۔ اور اپنے شہر کو بھول جاتا ہے لوگ یہیں بس جانے کے خیال سے مکان تعمیر کر کے قیام پذیر ہو جاتے ہیں مسافر اور سیاح قسمیں کھاتے ہیں ۔ کہ ہم نے ایسی عمارت کبھی نہیں دیکھی اور یہ قیصرو کسریٰ کے ایوان سے بلند تر ہے ۔ صوفیا چاشت ، اشراق ، تہجد اور اوراد میں مصروف رہتے ہیں ۔ یہاں فن کے بہترین استاد مقرر ہیں اور تفسیر ، حدیث اور فقہ پڑھائی جاتی ہے ۔ حفاظ ہر روز ختم قرآن کرتے ہیں اور مصلیوں کی تکبیر سے آسمان گونجتا ہے ۔

نباشد ایں چنیں زیبا بنائے　　　وگر باشد چنیں زیبا بنائے

برنیؔ کے اس بیان کی تصدیق اسی عہد کے مشہور شاعر مولانا مطہر کڑہ کے الفاظ سے لفظ بہ لفظ ہو جاتی ہے ۔ پڑھیئے اور شعر کا لطف اٹھائیے ۔

اندر آئی ز در مدرسۂ شاہجہاں　　　آسمانی نگری تازہ جہانی انوار
بینی آنجا کہ در عمر ندید است کسی　　　آنچناں جائی نہ در گوش شنیدہ اخبار
نہ چناں جائی بہ ہمداں نہ خورشید سدید　　　نہ چناں نقش بہ بردم ونہ بچین وبلغار
عالمان عربی لفظ عراقی دانش　　　ہمہ درجبہ شامی وعصری دستار
ہر یکی نادرۂ دہر در انوائے ہنر　　　در بلاغت بہ حجاز و بہ یمن مجد و وقار
ہر یکی واسطۂ عقل در اطراف و دیار　　　در نقاہت بنجارا و سمرقند نشاں

مدرسہ کی یہ فضا درس و تدریس کے علاوہ خورد و نوش کا سامان بھی مہیا کرتی تھی۔ مطہر مدرسہ میں ایک تماشائی کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ کھانے کا وقت ہوا تو اساتذہ اور طلبا نے ان کو بھی شریکِ دسترخوان کیا۔ یہ نعمتیں سرکاری خرچ پر مدرسہ کی نذر ہوتی تھیں۔ مدرسہ کی ضیافت ملاحظہ ہو جس پر امرا کو بھی رشک ہو

آسماں رنگ بیا راستہ نانِ مائدۂ ای کاسۂ وصحن در مہمور کواکب بقطار
ہمہ دُرّاج اکبوتر بچہ و کبک و کلنگ ماہی و مرغِ مسمّن برہ کوہ و قطار
ناردان و شکر ولوز ولوا نج دروی زعفران، صندلی و خشک ہمہ چیز از ابزار

لیکن یہی دہلی کبھی کبھی اپنی تلون مزاجی کا مظاہرہ بھی کیا کرتی تھی۔ محمد بن تغلق عجیب و غریب بادشاہ تھا۔ نئی اسکیمیں اس کے ذہن کی اُپج تھیں۔ اس کے عہد میں ایک بہت بڑا قحط پڑا۔ لوگ اسی کے شکار تھے کہ اسی درمیان تانبے کے سکوں کا اجرا اور دار السلطنت دہلی کو دولت آباد منتقل کرنا پڑا تھا۔ لوگوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ دہلی دہلی نہ رہی ایک شہر خموشاں اور شمشان بھومی بن گئی۔ لوگ بادلِ ناخواستہ رخصت ہوئے۔ اور زبردستی بھیجے گئے۔ عصامی کے متفرق اشعار سے اندازہ ہوگا کہ دہلی والوں پر کیا بیتی۔ بوڑھے، بچے اور عورتیں کس بے بسی کا شکار تھیں۔ ملاحظہ ہو:۔

ہمہ خلق گریاں پئے خانہ خویش رہا کردہ مالوف اوطانِ خویش
بسے گوشہ گیران پرہیز گار بسی کنج نشینان ستمہ گذار
عواتان بہ تکلیف وتعذیبشان بروں کردند از خانہا موکشاں
گروہے کہ گشتند در خانۂ پیر زغوغائے عالم شدہ گوشہ گیر

کیا طفل، کیا پیر، کیا عورت سب ہی پریشان تھے۔ مگر شیرخواروں کو دیکھئے

چہ پیر و چہ کودک چہ مرد و چہ زن رہا کرد ہر یک دیار و دمن
بسی طفل بے شیر گشتہ ہلاک بسی سر پئے آب خفتہ بخاک

اور بے پردہ خواتین جو اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلی تھیں، جنھوں نے کبھی آفتاب، کبھی آفتاب کی تمازت کا تصور بھی نہ کیا تھا اور جن کے چہرے نے کبھی گرد کا منہ بھی نہ دیکھا تھا اُن کا کیا حشر ہوا ملاحظہ ہو:۔

زنانے کے بودند اندر حجاب | ندیدہ بودندی رخِ آفتاب
ندیدہ درِ خانۂ خود گہے | ندانند از صنعۂ تا دری
دراں راہ دیدم کہ ہر دلبری | بہر غول گامی نہادہ سری
ہمہ نازکانے کہ ہرگز بخواب | نخوردہ غم از گرمیٔ آفتاب
یکی پا برہنہ رہے می نوشت | ہمہ دشت ازایشاں صنم خانہ گشت
بردئی کہ جز داغ صندل نبود | شد از کوشش زرد گرد کبود
بخشمے کہ جز در گلستاں نرفت | بہاموں برفت و بیاباں برفت
بسی آبلہ پا ندراں پانشست | بسی خارِ گردوں دراں پا شکست
ازاں قافلہ با عذابی شدید | سوئے دولت آباد می رسید

اگر دہلی میں ایک طرف سیاسی فرمانروائی تھی۔ تو دوسری طرف عوام کے دلوں پر صوفیا کی روحانی حکومت تھی۔ اس وقت کی مرکزی شخصیت سلطان الاولیا حضرت شیخ نظام الدین کی ذات بابرکات تھی جن کی گرد وپیش کے اژدہام نے غیاث الدین تغلق کو اس طرح ہراساں کر دیا جیسے برامکہ کی مقبولیت نے ملوں کو محبوب الٰہی کے فیض سے ملک کے بیشتر علاقوں میں صوفیا پہنچ کر اپنا حلقہ بنا چکے تھے۔ چشتیہ گروہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے انھوں نے شاہانِ وقت کو کبھی اپنے پاس پھٹکنے کا موقعہ نہ دیا۔ اور نہ ہی ان کی جانب کبھی رخ کیا اور دوسری جانب سہروردیہ سلسلہ تھا جن کو دربار میں رسائی حاصل تھی۔ اور جس ملک کے متعدد علمار صدر جہاں اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز بھی رہے مگر عوام

ہیں دونوں سلسلے روحانیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ چراغ دہلی، برہان الدین غریب، فخر الدین زراد، رکن الدین ملتانی، جہانیاں جہاں گشت، یحیٰ منیری، مسعود بک، بندہ نواز جیسے صوفیا نے جسم و روح کی صفائی کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی خدمت کی۔ فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیاء جیسے ملفوظات اور مشاہیر صوفیا کی تاریخیں لکھی گئیں۔ یحیٰ منیری نے درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں۔ ان کے مکتوبات نے عوام کی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے۔ یحیٰ منیری اور مسعود بک نے وحدۃ الوجود کے عقیدے کی اشاعت علی الاعلان کی۔ اور منصور کی مانند مسعود بک نے انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ تک لگایا چنانچہ علمائے دہلی نے انکے خلاف فتویٰ دے کر قتل کروادیا۔ نور العیون اور مراۃ العارفین ان کے عقیدہ کے مظہر ہیں۔ چنانچہ چند متفرق اشعار اس کے شاہد ہیں۔

رفت ز مسعود بک جملہ صفات بشر — او کہ ہمہ ذات بود باز ہمہ ذات شد

باز ایں دلِ دیوانہ ام بانگ انا الحق میزند — سر باز چوں منصور دم از سرِ مطلق میزند

دیدی کہ از ہر قطرہ خوں نقش انا الحق گر خورد — تا تو ندانی کیس نفس عاشق بناحق میزند

صوفیا سماع کے عاشق تھے اور علماء نے حضرت نظام الدین اولیاء اور چراغ دہلوی کو بھی مطعون کیا تھا۔ مگر سماع کا مفہوم جتنا اچھا اور موثر مسعود بک نے سمجھایا اتنا بڑے سے بڑے صوفی وقت کو بھی معلوم نہ تھا۔ ملاحظہ ہو سماع کا سوز و گداز :-

آں طائفہ کز اہل سماعند کیا نند — آنانکہ بجز دوست نہ بینند ندانند

در رقص در آیند چو از غایت مستی — از گردن دل رشتہ جانہا بگسلانند

دستک چو زنند از سر مستی بتو لعبد — ہم از ازل و ہم ز ابد دست فشانند

با آنکہ بظاہر ہمہ درویش و فقیر اند — در ملک قناعت ہمہ شاہ دو جہانند

دائم لب ما عندہمہ وقت برقند درعین عیاں ند وزاغیار نہانند

ان لوگوں میں سب سے زیادہ پُر اثر شخصیت چراغ دہلی کی تھی۔ جن کے ملفوظات حمید قلندر نے جمع کئے تھے۔ پروفیسر حبیب کہتے ہیں کہ خیر المجالس پڑھتے وقت آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ وہ شاہانِ وقت کے مخالف تھے۔ ان کے الفاظ میں پیری مریدی بچوں کا کھیل بن کر رہ گئی تھی نہ وہ خانقاہیں تھیں اور نہ وہ لنگر خانے کیونکہ خانقاہوں اور اولیاء کی وہ عظمت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کی یہ ناآسودگی اس لئے بھی تھی کہ محمد بن تغلق کی نگاہ میں وہ باغی تھے اور اس کی زندگی میں فیروز تغلق کو تختِ دہلی پر لانے کی سازش میں حصہ لیا تھا۔ بہر حال چراغ دہلی کا فلسفہ ان کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ ان کے متفرق اشعار ان کے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مگر ان کی ایک غزل جو واحد کلام ہے ان کی شخصیت اور مسلک کی بہترین نمائندہ ہے۔ غزل کی سلاست، تاثیر اور مواد کی داد آپ ضرور دیں گے۔

بیکارم و باکارم چوں مد بحساب اندر خاموشم و گویانم چوں خط بہ کتاب اندر
ای زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی او در من و من وروی چوں بو بہ گلاب اندر
از فلسفہ و منطق جز عشق نفہمیدم چنداں کہ نظر کردم شبہا بہ کتاب اندر
گہ شادم و گہ غمگیں از حالتِ خود غافل می خندم و می گریم چوں طفل بخواب اندر
می خندم و می گریم چوں گل بہ تہ شبنم می سوزم و می سازم چوں خون کباب اندر
در سینہ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

فیروز شاہ کے دور میں تصوف کی شاعری کا ذوق عام ہو گیا تھا۔ امراء اور روسا شاعری کرنا اور علم و ادب کی سرپرستی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ عین الملک اور تاتارخاں نے اپنی زیرِ نگرانی بہت سی مذہبی اور ادبی کتابوں کی تدوین کی۔ خود فیروز شاہ جس ذوق کا آدمی تھا۔ اس کی مثال ذیل کی ایک مختصر غزل سے مل جائے گی کہ وہ کس پایہ کا شاعر تھا

اور تصوف کا کتنا گہرا اثر اسکی زندگی پر تھا۔ بروضتہ السلاطین میں اس کی پانچ غزلیں شایع ہوئی ہیں۔ آخری غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں

ما مریداں پیر میکدہ ایم　　فارغ از نام وامین از ننگیم
زاہداں دشمنند رنداں را　　زاں بہ ایشاں عیشہ در جنگیم
در غم عشق و روی سوئے بتان　　گاہ در روم وگاہ در زنگیم
طالب شاہداں خوش خو ہیم　　منکر زاہداں دل تنگیم
ہمچو فیروز خاک راہ تو ایم　　گرچہ بدنام تاج اورنگیم

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دور کے دانشورا پنے عہد سے تقریباً ناآسودہ رہے ہیں۔ اور خاص طور سے مذہبی شخصیتیں تو قدروں اور روایتوں کا ماتم کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ اگر چراغ دہلی کے ملفوظات میں ہم ان کو تغلق دور کی بدحالی پر ماتم کناں پاتے ہیں تو یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ جو آیا وہ پچھلوں کو رویا۔ ماضی کو یاد کر کے آنسو بہاتا رہا۔ چنانچہ تغلق دور کی ابتدا سے قبل ہم ان صوفی شعرار کے کلام میں یہ چیز آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ جس عہد کی تعریف میں شعرار اور مورخین رطب اللسان تھے۔ اسی عہد کی اخلاقی اقدار کا کیا حال تھا۔ بوعلی قلندر پانی پتی اپنی مثنوی کے ایک حصے میں اخلاق، سخاوت، خلوص، محبت، برکت کے فقدان کا ذکر کرتے ہیں۔ اور بے حیائی پر حیرت زدہ ہیں:۔

برکت از کشت وزراعت گشت کم　　قامت جود وسخاوت گشت کم
خلق نیکو شد زعالم ناپدید　　طبع مردم سگ صفت گشتہ پلید
مہر کم شد از دل فرزند و زن　　فتنہ برپا گشت در دیر کہن
چوں حیا برخاست عالم گشتہ تنگ　　دختراں با مادراں دارند جنگ

اس عہد کے معاشرہ کا یہ ایک عام تجزیہ ہے ان اشعار سے اندازہ

لگایا جا سکتا ہے ۔ کہ فرد اور جماعت کا شیرازہ انحطاط پذیر تھا ۔ اور عام لوگ کس قماش کے رہے ہوں گے ۔ امیر خسرو نے اہلِ دہلی پر چند اشعار لکھے ہیں جن میں ان کی طنازی، عشوے اور حسن نے خسرو کو اس طرح متاثر کیا تھا جیسے غالب کو بنارس میں برہمن زادوں نے اور شبلی کو بمبئی میں زرتشت زادوں نے حیران کر دیا تھا ۔

ای دہلی وای بتان سادہ — یک بستہ دریشہ کج نہادہ
خون خوردن شاں آشکار است — گرچہ پنہاں خورند بادہ
فرماں نہ برند زاں کہ ہستند — از غایت ناز خود مرادہ
نزدیک دل چناں کہ جاں را — برداشتہ گوشۂ نہادہ
جائے کہ برہ کنند گل گشت — درکوچہ ودر گل پیادہ
آسیب صبا رسید بردوش — دستار چہ برزمیں فتادہ
شاں در رہِ عاشقاں بدنبال — خوننابہ ز دیدگاں کشادہ
ایشاں ہمہ یاد حسن در سر — وینہا ہمہ دل ببیاد دادہ
خورشید پرست شد مسلماں — زیں کج حکیمانِ شوخ وسادہ
کردند مُرا خراب و سرمست — ہندو بچگانِ تاک زادہ
سربستۂ شاں مجوئی مرغول — خسرو چو سگیست در قلادہ

یہ حال تو ہندو بچوں کا تھا مگر عوام کی عام تمدنی زندگی کم حیثیت ہو کر رہ گئی تھی ۔ اخلاقی بے راہ روی دہلی والوں کی زندگی کا جزو بن گئی تھی ۔ اسی عہد کے مشہور شاعر عصامی کے چند اشعار اس انحطاط پذیر معاشرہ کا بہترین عکس ہیں :۔

زہر کوچۂ اہلِ بدعت نجاست — ہم از شومت شاں سعادت بکاست
لباسی دگر خلق برداختند — ز دستار تا کفشِ نو ساختند

بظاہر سراسر تواضع نماتی — بباطن بیابی خصومت گرانی
بآزار دلہا نہادہ دلی — شب و روز در خرج ناحاصلی
گہ لاف ہر یک چو روئیں تنی — گہ کار حملہ چو بیوہ زنی
ہمہ مردم آزار و شیطاں نواز — ہمہ آشنا سوز و بیگانہ ساز
مصلا و سبحہ بر انداختہ — صراحی و ساغر عوض ساختہ

کم علمی اور شیخی کس قدر عام تھی یہ بھی دیکھ لیجئے :۔

کسی را کہ امروز جنبد زباں — ہمہ ہست بس ذو فنون زماں
بصدلابہ یک حرف حاصل کنند — بہر جمع آں حرف لافے زنند
برانند از عربدہ باد را — بشاگردی آرند اُستاد را
نماندہ دریں عالم عیب جوئی — مگر کم تمیزان بسیار جوئی
حکیم در نظامی و خسرو شوند — دگر کس نصیحت کند نشنوند
بنزدیک خود ہر یکی بوعلیست — ہمیں خود پرستیدن از غافلی ست

عصامی نے تغلق سے دکھ پایا تھا اس لئے دہلی کی تباہی کے بیان میں جائز و ناجائز بھی کہہ گیا ہوگا بلکہ جہاں تک دہلی کے عوام اور خواص کا تعلق ہے اُن کی عکاسی میں کسی مبالغہ کا دخل نہیں ہے اُسی عہد کے ایک اور شاعر نے لوگوں کی بدمذاقی اور بغض و حسد کی تصویر اس طرح کھینچی ہے :۔

جماعتی ہمہ بدخواہ اہل فضل و ہنر — جماعتی ہمہ بدخواہ مردم دانا
جماعتی کہ ندانند سنگ را ز گہر — جماعتی کہ ندانند اطلس از دیبا
جماعتی کہ بباز ار عقل شاں کیسانست — بہائی مہرہ سنگین را بوئی لالا
زخبث باطن ایشاں شود چو باد سموم — اگر بخاطر شاں بگذرد نسیم صبا
بوقت مدح چو غنچہ دہاں خود بستہ — بوقت ہجو چو بلبل بصد زباں گویا

زطعنہ شاں نشود در فصنائم نقصاں پلید از دہنِ سگ کجا شود دریا

یہ چودھویں صدی کی دہلی تھی جس کے مختلف رنگ شعروادب کے آئینہ میں نظر آئے۔ یہ عہد قابلِ تفریح یا در زوال آمادہ تھا اس کا فیصلہ قارئین پر ہے دلی میں آپ رہتے ہیں ہم رہتے ہیں دلی کس کی آپ کی یا میری؟

ممتاز ادیبوں ، دانشوروں ، ماہرینِ تعلیم ، اور مختلف الخیال سیاستدانوں کے عالمانہ اور مفکرانہ مضامین

ماہنامہ بمبئی

شاعر کا

قومی یکجہتی نمبر

ضخیم امثالی

موضوعات

- قومی یکجہتی کیوں اور کیسے ؟
- ہندوستانی تاریخ اور تہذیب کے پس منظر میں قومی یکجہتی
- قومی یکجہتی کا سماجی پس منظر
- قومی یکجہتی میں زبانوں کا کردار
- قومی یکجہتی کا سیاسی پس منظر
- اردو ادب میں قومی یکجہتی کا تصور
- مذہبی پس منظر میں قومی یکجہتی
- قومی یکجہتی اور سیکولرزم
- قومی یکجہتی میں اکثریت اور اقلیت کا کردار
- رقص موسیقی اور دیگر فنونِ لطیفہ کے ذریعہ قومی یکجہتی

اردو کے سیکڑوں ادیبوں ، شاعروں ، دانشوروں اور صحافیوں کے قومی یکجہتی سے متعلق دستخطوں کے ساتھ

قومی یکجہتی پر تازہ ترین و منتخب

بہترین اندازِ پیشکش — نظمیں — افسانے — ڈرامے — اعلیٰ کتابت و طباعت

ضخامت ۳۵۰ صفحات ✶ قیمت چھ روپے

(یہ عظیم قومی دستاویز مستقل سالانہ خریداروں کو صرف پانچ روپے میں پیش کی جائے گی) ہر اس اردو داں کا قومی فریضہ ہے کہ وہ یہ نمبر ضرور خریدے اور دوسروں کو بھی خریدنے کی ترغیب دے

تجدید: ماہنامہ "شاعر" مکتبہ قصرالادب ۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۵۲۶ ۔ بمبئی ۸ ۴۰۰۰۰۸